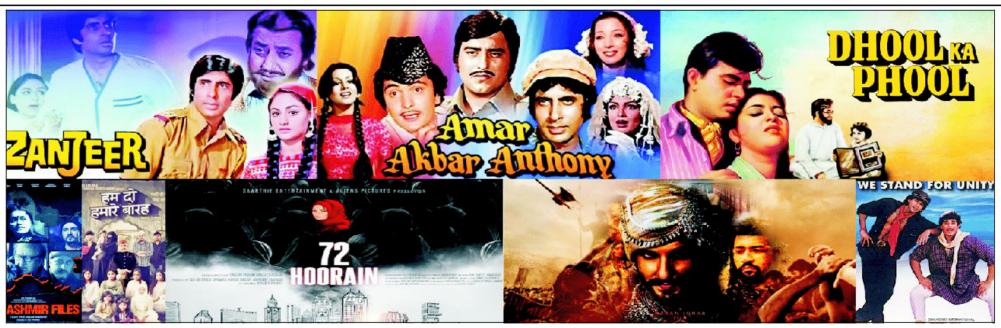

ہندی سنیما محبت اور بھائی چارہ سے مذہبی منافرت تک

ہندی سنیما کے میدان میں انڈسٹری تاریخی طور پر محبت، بھائی چارے اور امن کے پیغامات پھیلانے کا ایک طاقتور ذریعہ رہی ہے۔ فلمیں اکثر سماجی اقدار کی عکاس ہوتی ہیں، مختلف کمیونٹیز کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کے احساس کو فروغ دیتی ہیں۔ تاہم، حالیہ برسوں میں مذہبی نفرت ، پولرائزیشن اور سماجی تقسیم کو چھونے والے موضوعات کو تلاش کرنے والی کچھ فلموں کے ساتھ ایک قابل ذکر تبدیلی آئی ہے۔

ڈاکٹر ریحان اختر

ہندی سنیما، جسے بالی ووڈ کے نام سے جانا جاتا ہے، طویل عرصے سے ہندوستان کے تہذیبی و ثقافتی منظر نامے کا سنگ بنیاد رہا ہے جو اپنی بے مثال اور شاندار کہانیوں کے ذریعے سماجی اقدار کی تشکیل اور عکاسی کرتا ہے۔ اپنے قیام کے بعد سے ہندی سینما نے پیار، محبت، بھائی چارے اور امن کے موضوعات کو فروغ دیا ہے جو دنیا بھر کے ناظرین و سامعین کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے بھرپور تنوع اور اتحاد کو فروغ دینے والی کہانیاں بنا کر بالی ووڈ نے نہ صرف تفریح کی حوصلہ افزائی کی بلکہ ہم آہنگی اور باہمی احترام کے پیغامات کو بھی فروغ دیا۔ جیسے جیسے صنعت ترقی کرتی ہے یہ فنکارانہ اظہار اور سماجی ذمہ داری کے درمیان ایک نازک توازن برقرار رکھتی ہے اور کشیدگی، متنوع اور متحرک معاشرے میں ایک متحد قوت کے طور پر اپنی میراث کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ ہندی سنیما کے میدان میں انڈسٹری تاریخی طور پر محبت، بھائی چارے اور امن کے پیغامات پھیلانے کا ایک طاقتور ذریعہ رہی ہے۔ فلمیں اکثر سماجی اقدار کی عکاس ہوتی ہیں، مختلف کمیونٹیز کے درمیان اتحاد اور ہم آہنگی کے احساس کو فروغ دیتی ہیں۔ تاہم، حالیہ برسوں میں مذہبی نفرت ، پولرائزیشن اور سماجی تقسیم کو چھونے والے موضوعات کو تلاش کرنے والی کچھ فلموں کے ساتھ ایک قابل ذکر تبدیلی آئی ہے۔

تاریخی پس منظر :

اپنے آغاز سے ہی ہندی سنیما نے سماجی ہم آہنگی اور اتحاد کو فروغ دینے میں ایک طاقتور ہتھیار کا کام کرنا چلا آ رہا ہے۔ 1940 اور 1950 کی دہائیوں کے ابتدائی سالوں اور سنہری دور کے دوران ''شری 420'' (1955) اور ''مدر انڈیا'' (1957) جیسی فلموں نے قومی اتحاد، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور عوامی جدوجہد کے موضوعات پر زور دیا۔ یہ فلمیں آزادی کے بعد کے سوشلسٹ نظریات اور سماج میں اتحاد کی اہمیت کی عکاسی کرتے ہوئے ناظرین کے ساتھ گونجتی ہیں اور ایسے کرداروں کی تصویر کشی کرتے ہیں جو اجتماعی کوششوں اور اخلاقی قوت کے ذریعے مشکلات پر قابو پاتے ہیں۔ 1960 اور 1970 کی دہائیوں میں ''دھول کا پھول'' (1959) اور ''امر اکبر انتھونی'' (1977) جیسی فلموں کے ساتھ ان موضوعات کو یکجا کیا گیا، جس میں مختلف مذہبی پس منظر سے تعلق رکھنے والے مختلف کرداروں کو اکٹھے ہونے کے ذریعے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو اجاگر کیا گیا تھا۔ ان فلموں نے اس خیال کو پیش کیا کہ انسانیت مذہبی حدود سے تجاوز کرتی ہے، مختلف برادریوں کے درمیان اتحاد اور باہمی احترام کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔ ان فلموں کی مقبولیت نے ناظرین کی طرف سے سماجی اتحاد اور بھائی چارے کو فروغ دینے والے پیغامات کی قبولیت اور تعریف کی نشاندہی کی۔ 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں، ہندی سنیما نے خاندانی ڈراموں اور رومانوی فلموں کے ذریعے ان اقدار کو تقویت دینے کا سلسلہ جاری رکھا جس میں محبت، احترام اور یکجہتی کو اجاگر کیا گیا۔ ''میں آپ کا کون ہوں'' (1994) اور ''دل والے دلہنیا لے جائیں گیں'' (1995) نے خاندانی بندھنوں اور ثقافتی اقدار کی اہمیت پر زور دیا، توسیع شدہ خاندانی ڈھانچے کے اندر طاقت اور اتحاد کا مظاہرہ کیا۔ یہ فلمیں ثقافتی مظاہر بن گئیں جو ہندوستانی سماج کے اخلاق میں مرکزی حیثیت رکھنے والے اتحاد اور محبت کے نظریات کو فروغ دے کر سماجی بیانیے کی عکاسی اور تشکیل کرتی ہیں۔

حالیہ برسوں میں ہندی سنیما کے منظر نامے میں واضح تبدیلی آئی ہے۔ ''ہم تین ہمارے 12'' ''دی کیرالا اسٹوری'' اور ''دی کشمیر فائلز'' جیسی متنازع فلموں نے ہندوستان میں بدلتے ہوئے سماجی و سیاسی ماحول کی عکاسی کرتے ہوئے زیادہ متنازع اور تفرقہ انگیز مسائل کو جنم دیا ہے۔

پچھلے کئی سالوں سے اسلام اور مسلم مخالف ذہنیت رکھنے والے فلم اداکاروں اور ڈائریکٹرز نے کئی ساری فلمیں مسلمانوں کے خلاف بنائی ہیں اور ایک خاص مذہب کو بدنام کرنے کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے ساتھ ہی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور دیگر مذاہب کے شائقین میں اسلام و مسلمانوں کیخلاف نفرت پیدا کرنے کی ناپاک حرکت کی گئی ہے۔ ''ہم دو ہمارے بارہ'' نامی فلم تیار کی گئی ہے جس میں قرآن کریم کی آیتوں کا غلط مطلب بیان کیا جا رہا ہے، ساتھ ہی حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور دیگر مذاہب کے ماننے والوں میں اسلام و مسلمانوں کیخلاف نفرت پیدا کرنے کی ناپاک حرکت کی گئی ہے۔ اس فلم میں قرآن و احادیث اور اسلامی عقائد و نظریات کا غلط معنی و مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ اس فلم میں سورہ بقرہ کی آیت 223 کی غلط تشریح کی گئی ہے، جس میں مسلمان مردوں کو عورتوں کے ساتھ ظالم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں پردہ، گھر سے نکلنے پر پابندی، ازدواجی تعلقات اور بچے پیدا کرنے جیسے مختلف مسائل کو غلط طریقے سے پیش کیا گیا۔ آیت ''نساءکم حرث لکم'' کو عورتوں کو اکسانے اور کنفیوژن کے بیج بونے کے لیے اس کی غلط تشریح کی گئی ہے، جس کے تحت انہیں مردوں کی خواہشات کے لیے محض اشیاء کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ یہ مسخ شدہ نظریہ اسلام میں خواتین کی قدر و اہمیت کو مجروح کرتا ہے اور مسلمانوں میں پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح کی غلط بیانی اسلام اور اس کے پیروکاروں پر حملہ کے مترادف ہے جس سے ان کے دل زخمی اور روحیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔ اس فلم سے ملک کے مسلمان تشویش میں مبتلا ہیں اور اپنے اپنے طور سے اس بیہودہ اور دوغلی کے ڈائریکٹر کے خلاف احتجاج درج کرا رہے ہیں۔

اسی طرح گزشتہ سال ریلیز ہوئی ایک متنازع فلم ''دی کیرالا اسٹوری'' ہے، جس میں نصف سچائی دکھائی گئی ہے اور اہم ایشوز کو کنارے رکھ کر نفرت پھیلانے اور تخریب کاری سیاست کو فروغ دینے کی کوشش کی گئی فلم دیکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فلم میں آدھی سچائی دکھائی گئی ہے اور غیر ضروری تحقیق کے بغیر تیار کی گئی ہے اور اس فلم کو بنانے والے لوگ، کشمالا اور مسلمانوں سے گہری شکایت ہے ان کا کہنا ہے کہ ''میں ماضی میں ان تینوں طبقوں کے ہر دکھ درد میں شریک رہا لیکن جب ووٹنگ کی باری آئی تو ان لوگوں نے مجھے ووٹ نہیں دیا'' اسی لیے ایک عوامی محفل سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ

چند سیاسی فیصلوں کو نظر انداز کردیں تو اس حقیقت سے شاید ہی کسی کو انکار ہو کہ ان کی پارٹی کے مکھیا اور بہار کے وزیر اعلیٰ نیتش کمار کبھی اس طرح کی نیچ سوچ کے مالک نہیں رہے۔انھوں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ انھیں کسی سماج کے لوگوں نے سپورٹ کیا اور کس نے نہیں بلکہ اس سے اوپر اٹھ کر انہوں نے ہر طبقے کے لیے فلاح کا کام کیا۔

لوگ اگر میرے پاس آئیں گے تو میں ناشتہ پانی کھلا دوں گا لیکن اگر بات آئے گی ان کی ذاتی ضروریات یا ان کی فریاد سننے کی تو دیوش چندر ٹھاکر کو ہندوؤں میں یاد ذاتی کے لوگ، کشماہا اور مسلمانوں سے گہری شکایت ہے ان کا کہنا ہے کہ ''میں ماضی میں ان تینوں طبقوں کے ہر دکھ درد میں شریک رہا لیکن جب ووٹنگ کی باری آئی تو ان لوگوں نے مجھے ووٹ نہیں دیا'' اسی لیے ایک عوامی محفل سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ

جمیل اختر شفیق

ہندوستان کی پاک اور صاف ستھری زمین کو گرہن، ذات پات، مذہب اور رنگ و نسل کی گندی سیاست نے ناپاک کر دیا ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ ایک جمہوری ملک ہے، اس اور ایکتا اس کے تمیز میں شامل ہے جس کی درجنوں مثالیں تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہیں، اسی لیے میدان سیاست میں شیخ آزما کرنے والا ملک کے جس خطے سے جو بھی نمائندہ بہت کر کسی بھی پارٹی میں اپنی موجودگی درج کراتا ہے تو اس کا یہ آئینی فرض ہے کہ وہ اپنے حلقے کے ایک ایک فرد کی فکر کرے، اس کے دکھ درد میں شریک رہے اور اپنے علاقے کو ترقی کے شکھر پر پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے لیکن جتنا کہ دونوں سے جیتنے والا اگر کوئی نمائندہ جیت حاصل کرنے کے بعد اپنے پیش نظر یہ بات رکھتا ہے کہ جس نے اس کو ووٹ کیا ہے وہ اسی پر مہربان رہے گا اور بقیہ لوگوں کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچا کر اسے روحانی خوشی ملے گی اور وہ انتقاماً اس کے لیے سرگرم ہو جائے بعل الاعلان اس کا اظہار بھی کرنے لگے تو یہ قانونی اعتبار سے جرم اور اخلاقی اعتبار سے انتہائی شرمناک عمل سمجھا جائے گا۔

پچھلے دنوں بہار کے سیتا مڑھی ضلع سے جدیو کے ٹکٹ پر ایم پی کے الیکشن میں جیت حاصل کرنے والے سابق ایم ایل سی

ممبر پارلیمنٹ کے زہریلے بول

غافلوں کی خدا نہیں سنتا!

ریاض فردوسی

اس پرخطر دور میں ہر گھڑی، ہر سمت میں بٹنے والا انسان مسلمانوں سے بے زاری کا اظہار کر رہا ہے (الا ماشاءاللہ) دین اسلام کو روئے ارض سے مٹانے کی مہم ہر سازشوں کے ساتھ جاری ہے۔

شام کی در و دیوار مسلمانوں کے خون سے لال ہو چکی ہے، فلسطین میں مسلمانوں کا خون مشرکوں اور ظالموں نے حلال کرلیا ہے، میانمار کی فضا مسلمانوں کی آہ و بکا سے گرد آلود ہو چکی ہے، لیبیا میں ہم پر طرح کی مصیبتوں کا نزول ہوا اور اب بھی ظلم و ستم کا سلسلہ جاری و ساری ہے، سرزمین عراق ہمارے بھائیوں اور بہنوں کے خون سے سرخ ہو چکی ہے، غرضیکہ پچھلے کچھ سالوں سے ہر جگہ پر صرف مسلمان ہی نشانے پر ہیں، دور حاضر میں مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کی برپا تو ڈ سے جا رہے ہیں، مسلمانوں کی زوال کی داستان جو کچھ سال قبل شروع ہوئی اپنے عروج کی داستانیں لکھنے کے بعد اپنے ہی ہاتھوں سے انحطاط کا شکار ہو گئی۔ ہم کسی دوسرے کو اس تنزلی کا مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ یہ کہ ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے لگائیں اور انہیں خود ہی کھلنی پڑیں گی۔ اس کی بنیادی وجہ اتفاق و اتحاد میں کمی، اخلاقی گراوٹ، دانشوری و سائنس میں عدم دلچسپی، مناظر بازی، وعدے کی پاسداری نہ کرنا، تجارت میں دھوکہ دہی، انصاف کا قتل عام، جھوٹی گواہی دینا، معاشرے کو قرآن کے قوانین پر استوار نہ کرنا، تعلیم میں فقدان، اشیاء میں گراوٹ و ناپ تول میں کمی، عوام کا استحصال، حقوق کی پامالی، میرٹ کا قتل عام اور سب سے بڑھ کر کتاب اللہ سے دوری ہے۔

مسلمان ایک آفاقی تہذیب جس میں ہر رنگ و نسل و خطے کے لوگ مساوی حقوق کی بنیادوں پر اپنے اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا سبق دیتے اپنی ترقی کا علم سر بلند کیے رہے تو دنیا ان کے زیر نگیں رہی۔ محنت و مشقت جن کا خاصہ تھا علمی ترقی فنون لطیفہ، آرٹ، قرآن کی روشنی میں کائنات پر کمندیں ڈالنے والے ہمارے آباواجداد تھے لیکن ہم کیا ہیں؟ ہم اقوام عالم میں کس جگہ کھڑے ہیں، ہمارا کیا مقام ہے یہ سوال اہمیت کا حامل ہے۔

مسلمان علماء کی طرف سے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے امت مسلمہ کی نجات اور دشمنان اسلام کے ذلیل و رسوا ہونے کے لیے پوری امت مسلمہ نے جگہ جگہ پر قوت نازلہ کا بھی اہتمام کر رہی ہے، یہاں تک کہ پاک و مقدس سرزمین حرمین و شریفین سے بھی مسلسل دعائیں کی جا رہی ہے مگر ہائے افسوس ہم مسلمانوں کی بدنصیبی و بدبختی دیکھیے کہ نہ تو ہمارے حالات بدل رہے ہیں اور نہ ہی ہماری دعائیں قبول کی جا رہی ہے اور نہ ہی ہمارے اوپر سے مصیبتوں کے بادل چھٹ رہے ہیں۔

آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے لئے اتنی زیادہ دعائیں کی جا رہی ہیں اور ہم سب خود اپنے رب سے گریہ وزاری کر رہے ہیں مگر نہ تو ہماری دعائیں قبول ہو رہی ہیں اور نہ ہی ہماری حالتیں بدل رہی ہیں اور نہ ہی ہم مسلمانوں کی مصیبتیں دور ہو رہی ہیں، ہم مجبور و لاچار، بے بس ہیں مگر پھر بھی ہماری فریاد نہیں ہو رہی ہے جبکہ اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ میں ہر مصیبت زدہ کی پکار کو سنتا ہوں اور اس کی مصیبتوں کو دور کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں قبول کرتا ہے، لیکن منظر کی درخواست میں زیادہ طاقت اور خضوع و خشوع ہے اس لیے استجابت دعا کے لئے اضطرار کا شرط عام، جھوٹی گواہی دینا، معاشرے کو قرآن کے قوانین پر استوار نہ کرنا، تعلیم میں فقدان، اشیاء میں گراوٹ و ناپ تول میں کمی عوام کا استحصال، حقوق کی پامالی، میرٹ کا قتل عام اور سب سے بڑھ کر کتاب اللہ سے دوری ہے۔

شام کی در و دیوار مسلمانوں کے خون سے لال ہو چکی ہے، فلسطین میں مسلمانوں کا خون مشرکوں اور ظالموں نے حلال کرلیا ہے، میانمار کی فضا مسلمانوں کی آہ و بکا سے گرد آلود ہو چکی ہے، لیبیا میں ہم پر طرح کی مصیبتوں کا نزول ہوا اور اب بھی ظلم و ستم کا سلسلہ جاری و ساری ہے، سرزمین عراق ہمارے بھائیوں اور بہنوں کے خون سے سرخ ہو چکی ہے، غرضیکہ پچھلے کچھ سالوں سے ہر جگہ پر صرف مسلمان ہی نشانے پر ہیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اور اپنے نفس کے حوالے نہ ہونے کا ہر مسلمان حاجت مند ہے اور اپنے کام درست ہونے کا ہر مسلمان طلبگار ہے۔ کیا ہماری فریادوں میں، دعاؤں میں، آہ و بکاں میں اضطراری کیفیت ہے؟ دعا سے قبل پوری توجہ کے ساتھ توبہ و استغفار فرض ہے۔ اللہ کو پکارتے وقت، گریہ و فریاد کرتے وقت، دعا کرتے ہوئے ریا کاری سے گریز کیا جائے۔ کیا ہمارے اعمال، ریاکاری سے خارج ہیں؟ ہم دین کا صرف لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، سارے کام غیر اخلاقی اور غیر مذہبی کرتے ہیں۔ ہم مذہب کو صرف دکھاوے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں، ایک مسلمان بھی شاید ہی اللہ کے لیے کوئی نیک عمل کرتا ہو؟ ہماری دعاؤں میں اخلاص کی کمی ہے۔ اخلاص کے ساتھ دعا کرنے والے کو یہ نظریہ ضرور رکھنا چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی پکارا جاتا ہے، اور وہی اکیلا تمام ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔ کتاب اللہ کی روشنی میں عاجزی، انکساری، خشوع و خضوع، قبولیت کی امید اور دعا مستردہونے کا خوف، حقیقت میں دعا کی روح، دعا کا مقصود اور دعا کا مغز ہے۔

reyaz.firdausi@gmail.com

jakhtarshafique@gmail.com

بھارتی فوجی موجود ہیں تو پھر ابھی تک بیرون ملک فرار ہو جانے والے کشمیری پنڈت واپس کیوں نہیں آ رہے؟

تبدیلی کے مضمرات:

ہندی سنیما میں محبت اور بھائی چارے کے موضوعات سے مذہبی نفرت و پولرائزیشن کی طرف منتقلی وسیع تر سماجی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کی پیچھے کئی عوامل کارفرما ہیں۔

سماجی و سیاسی ماحول:

شناخت کی سیاست کے عروج اور بڑھتے ہوئے فرقہ وارانہ کشیدگی نے فلم سازوں کو مزید متنازعہ موضوعات پر فلمیں بنانے کی ترغیب دی ہے۔ اکثر یہ پرانی مسائل کی تصویر کشی اکثر لوگوں کے موجودہ احساسات اور خدشات کی عکاسی کرتی ہے۔

سامعین کی مانگ:

سامعین میں ایسی فلموں میں دلچسپی بڑھ رہی ہے جو حقیقی دنیا کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے ایک خاص مذہب کے پیروکار کے خلاف بنائی گئی ہو۔ اور ان کی سوچ کو متاثر کرتی ہو۔

میڈیا اور ٹیکنالوجی:

ڈیجیٹل میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز کے پھیلاؤ نے فلموں کے اثرات کو بڑھایا ہے، جس سے انہیں وسیع تر ناظرین تک پہنچنے اور زیادہ اہم بات چیت کو فروغ دینے میں مدد ملی ہے۔

سماج پر برے اثرات :

متنازعہ فلمیں جو مذہبی اختلافات اور تاریخی تنازعات جیسے حساس موضوعات سے بحث کرتی ہیں معاشرے پر بڑے اثرات مرتب کرسکتی ہیں جو اکثر موجودہ تناؤ کو مزید خراب کر دیتی ہیں۔ یہ فلمیں، اہم بات چیت شروع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بعض اوقات ایک پیچیدہ مسئلے کا صرف ایک رخ دکھا کر تقسیم کو گہرا کرسکتی ہیں۔ یہ قدم مختلف گروہوں کے درمیان اور بھی زیادہ عدم اعتماد اور دشمنی کا باعث بن سکتا ہے، کیونکہ لوگ ان کرداروں اور کہانیوں جو دکھایا گیا ہے دل میں پیوست کرسکتے ہیں اور یقین کرسکتے ہیں کہ وہ حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسی فلموں کا ڈرامائی اور اکثر مبالغہ آمیز مواد دقیانوسی تصورات اور تعصبات کو تقویت دے سکتا ہے اور معاشرے کو مزید پولرائز اور تقسیم کرسکتا ہے۔

ڈیجیٹل پلیٹ فارمز اور سوشل میڈیا پر ان فلموں کی وسیع بیانے پر دستیابی ان کے اثرات کو مزید مضبوط کرسکتی ہے، جس سے متنازعہ پیغامات تیزی سے اور وسیع پیمانے پر پھیل سکتے ہیں۔ آج کے تیز رفتار معلوماتی ماحول میں حقیقت اور افسانے کے درمیان کی لکیر دھندلی ہو سکتی ہے، جس سے کمیونٹیز کے درمیان غلط فہمی اور حساسیت پیدا ہو سکتی ہے۔ ان فلموں کو سیاسی مقاصد کے لیے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے رائے عامہ کو متاثر کرنے اور سماجی اختلاف پیدا کرنے کے لیے۔ لہٰذا متنازعہ فلمیں جہاں اہم مسائل کی طرف توجہ مبذول کرسکتی ہیں، وہیں وہ سماجی ہم آہنگی اور اتحاد کو نقصان پہنچانے کا خطرہ بھی رکھتی ہیں۔

بہرحال، آج کا سنیما اپنی قدیم روایات سے بہت پرے کا ہے سماجی مسائل و معاشی مسائل، خاندان اور گھروں کے مسائل کو نہ دکھا کر آج ہندی سینما نے مذہبی نفرت کا راستہ اختیار کرلیا ہے جس سے سماج میں محبت، بھائی چارہ اور امن کے فروغ کے بجائے وحشی اور نفرت و عداوت اور ایک خاص مذہب کے پیروکار کے خلاف سماجی نفرت کا ماحول تیار ہو رہا ہے جو بظاہر کچھ عام نہاد اداکاروں اور فلم میکرز کو وقتی فائدے تو حاصل کرنا تھے ہیں لیکن اس سے سماج کی آب و ہوا زہریلی اور جہان لیوا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا ہے۔

raihanhams6@gmail.com